مؤرخ چوں شمارِ سالِ شے کرد   عطارد بر سرِ ذوالقعدہ پے کرد
دگر تاریخ بکشایند ز ابجد   ز ہجرت پانزدہ گیر و ہفتصد ۷۱۵

اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ غالباً اَواخر جمادی الآخر یا اوائل رجب سنہ ۷۱۵ ہجری میں خضر خاں کی طرف سے یہ فرمایش ہوئی اور حضرت امیر خسروؒ نے اس مثنوی کو نظم کرنا شروع کیا اور خضر خاں اور دولرانی کے جُدا کرنے کا واقعہ جس کو راجہ صاحب ممدوح نے بنا تصنیفِ مثنوی قرار دیا ہی سنہ ۷۱۱ سے پہلے کا ہی۔ خضر خاں کی پہلی شادی کا حال جو اُس کے ماموں الپ خاں کی لڑکی کے ساتھ ہوئی ہی، حضرت امیر خسروؒ نے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہی۔ ۲۳ رمضان المبارک روز چہارشنبہ سنہ ۷۱۱ ہجری کو ساعت سعید میں جو مُنجموں کے مشورہ سے قرار پائی تھی عقد نکاح کی رسم عمل میں آئی اور غرۂ ذیحجہ روز یکشنبہ کو معمولی رسموں کے ساتھ دُلہن رُخصت ہوئی۔ دوسری شادی جو دولرانی کے ساتھ ہوئی اُس میں کوئی دُھوم دھام نہیں کی گئی۔ بلکہ گھر کے چند آدمی جمع ہوگئے اور ان کے سامنے نکاح پڑھ دیا گیا اس نکاح کی تاریخ حضرت امیر نے نہیں لکھی اور نہ کسی تاریخ میں اس کی تصریح کی گئی ہی۔ غالباً سنہ ۷۱۳ ہجری میں یہ نکاح ہوا ہی۔ پس ظاہر ہے کہ اس عقد سے پہلے یہ واقعہ اس قابل نہ تھا کہ خضر خاں اُس کا مسودہ تیار کرکے امیر خسرو سے اُس کے نظم کرنے کی فرمایش کرتا اور امیر خسرو اُس کو نظم فرمانا شروع کرتے۔ اس لئے میرے نزدیک صحیح یہ ہی کہ اَواخر جمادی الآخر یا اوائل رجب سنہ ۷۱۵ ہجری میں اس مثنوی کی نظم شروع ہوکر ۶ ذوالقعدہ سنہ ۷۱۵ ہجری کو تمام ہوئی جیسا کہ خود حضرت امیر خسروؒ نے خاتمۂ کتاب میں

تصریح کی ہے۔

اس مثنوی کی صرف ایک داستان ایسی ہے جو ۷۱۵ھ کے بعد میں لکھی گئی ہے اور وہ خضر خاں وغیرہ کے قتل کا واقعہ ہے۔ اس کی نسبت امیر صاحب خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ خضر خاں وغیرہ کے واقعۂ شہادت کے بعد میں نے ۳۱۹ اشعار کا اس مثنوی میں اور اضافہ کیا۔ اور مثنوی کے کُل اشعار اس وقت ۴۵۱۹ ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

وگر دانندہ پرسد بیت چند است ق درین نامہ کہ از عشق ارجمند است

بصد خوبی نشاند بر دل وجاں غمِ خوبِ دَولرانی خضر خاں

چو بربالا کشد ایں پردہ ہر کس چہار الف ست و دو بیت ایں قدر بس

پس از خونِ شہیدانِ پُرانددہ نوشتم سہ صد و زاں پس دَہ و نہ

وگر بر راستی خواہی گواہاست شہیدانیک گواہی میدہد راست

وگر زیر و زبر گردند ہمہ چہار الف ست و پانصد با نہ و دہ

اِن اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ اضافہ سے پیشتر مثنوی کے اشعار کی تعداد ۴۲۰۰ تھی لیکن خضر خاں اور شادی خاں اور شہاب الدین عمر کے واقعۂ قتل کے بعد ۳۱۹ اشعار کا اس میں اور اضافہ ہوا اور کُل تعداد اشعار کی ۴۵۱۹ ہو گئی۔ میں نے اس داستان کے اشعار کو شمار کیا ہے۔ اس وقت ۳۱۷ شعر ہیں جن میں سے صفحہ ۲۷۰ کا تیسرا شعر ایسا ہے جو صرف بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ

الحاقی ہو اگرچہ اُس کی ساخت اور بندشوں میں حضرت امیر خسرو کا خالص رنگ صاف صاف نمایاں ہو رہا ہے۔ پس اگر یہ شعر الحاقی سمجھا جائے تو داستان کے اشعار کی تعداد ۱۳۱۶ رہتی ہے اور اگر اس میں مندرجۂ بالا اشعار کے آخری تین شعر جو بلاشبہ بعد میں لکھے گئے ہیں شامل کئے جاویں تو اضافہ شدہ اشعار کی تعداد پوری ۱۳۱۹ ہو جاتی ہے اور اگر مندرجۂ بالا تین شعروں کو تعداد سے خارج سمجھا جائے تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ داستان کے دو شعر ضائع ہو گئے۔ اور اس قدر زمانۂ دراز کے بعد ایسا ہو جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے۔

حضرت امیر نے نہ تو اس واقعۂ قتل کی کوئی تاریخ لکھی ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ مثنوی میں اس داستان کا اضافہ کس وقت کیا گیا۔ اکثر تواریخ کی کتابیں بھی اس سے ساکت نظر آتی ہیں۔ البتہ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ میں وقت کی تعیین کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۷۱۸ھ میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ جب جھائن میں پہنچا تو شادی کتہ سر سلاحداران کو حکم دیا کہ گوالیار پہنچکر خضر خاں و شادی خاں اور شہاب الدین عمر کو شہید کرڈے اور ان کے اہل وعیال کو دہلی میں لے آئے۔ فرشتہ کے الفاظ بھی قریباً یہی ہیں اور غالباً یہ دونوں بیان ضیاء برنی سے ماخوذ ہیں جس نے بظاہر ۷۱۸ھ کے واقعات کے سلسلے میں اس واقعہ کو بھی لکھا ہے۔ مگر پہلے واقعات کے تعین میں حضرت امیر خسرو اور ضیاء برنی کے بیان میں ایک سال کا فرق چلا آرہا ہے۔ سلطان علاء الدین کی وفات کی تاریخ حضرت امیر نے عشیقہ میں ۷۱۶ھ اور ضیاء برنی

نے ٧١٦ھ لکھی ہے اسی طرح سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے جلوس کی تاریخ حضرت امیر نے نہ سپہر میں ٧١٦ھ اور ضیا برنی نے ٧١٨ھ لکھی ہے۔ اگر یہاں تک بھی اُس کا اثر متعدی سمجھا جائے تو خضر خاں کے قتل کے واقعہ کی صحیح تاریخ ٧١٨ھ ہونی چاہیے۔

ابن بطوطہ نے بھی جو اس واقعہ کے چند سال بعد ہندوستان میں آیا تھا اپنے سفرنامہ میں اِس واقعۂ قتل کو بلا تعین تاریخ لکھا ہے۔ بہرحال یہ درد انگیز واقعہ ٧١٨ھ یا ٧١٩ھ میں ظہور پذیر ہوا اور متعدد قرائن اس داستان کے اشعار میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ امیر خسروؔ نے اُسی وقت اِس داستان کو نظم کر کے مثنوی کی تکمیل کر دی تھی۔ اِس عبرت خیز داستان کے ہر ہر شعر میں جو درد و سوز بھرا ہوا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ واقعہ تازہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی شکایت اور اپنی ناخوشی کا اظہار حضرت امیر خسروؔ نے نہایت دبی زبان سے کیا ہے جس سے صاف نمایاں ہے کہ قطب الدین کے عہد سلطنت میں یہ داستان لکھ رہے ہیں۔ اگر عہد قطبی کے بعد لکھا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ اُس کا رنگ دوسرا ہوتا۔ مثلاً فرماتے ہیں ؎

مع القصہ نہانی دانِ ایں راز
ز گنجِ راز زینساں در کشد باز

کہ چوں سلطاں مبارک شاہِ بے مہر
ز تلخی گشت بر خویشاں ترش چہر

صلاحِ ملک در خونریز شاں دید
سزاواری بہ تیغِ تیز شاں دید

براں شد تا کند از کیں سگالی
ز انبازانِ ملک اقلیم خالی

نہاں سوئے خضر خاں کس فرستاد
ز داری بعد راز دل بروں داد

ان اشعار میں اگرچہ سلطان قطب الدین کے لئے بے مہری اور تلخی اور ترش روئی کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن تیسرے اور چوتھے شعر میں اس واقعہ قتل میں اُس کے لئے ایک عذر لنگ بھی تجویز کر دیا ہے یعنی اُس کے نزدیک مصلحتِ ملکی اسی کی مقتضی تھی اور وہ سلطنت کے دعویداروں سے ملک کو خالی کرنا چاہتا تھا پس ان اشعار سے غالباً گمان ہوتا ہے کہ یہ داستان سلطان قطب الدین کے عہدِ سلطنت میں لکھی گئی ہے اور اس لئے مورخین نے وقت کی جو تعیین کی ہے اُس کو قطعی طور پر صحیح سمجھنا چاہیئے۔

واقعات قصہ | اس کے بنیادی واقعات میں کتب تواریخ باہم مختلف ہیں اگر ان تمام اختلافات کو دکھلایا جاوے تو بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے میں نقل واقعات میں امیر خسرو کی پیروی کروں گا البتہ قصہ کے ضروری اجزا جو نظم میں متروک ہو گئے ہیں اُن کو بھی قصہ کے ساتھ شامل کر دینا اور صرف ضرورت کے موقعوں پر تاریخی اختلافات کی طرف اشارہ کر دینا غالباً کافی ہو گا۔

سلطان علاء الدین کے جلوس کے تیسرے سال یعنی ۶۹۸ھ ہجری کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ الملقب بہ الغ خاں جو سلطان کا بھائی تھا اور نصرت خاں جالیسری جو منصبِ وزارت پر ممتاز ہوا تھا مہم گجرات کے لئے مامور ہوئے اور ایک جرار لشکر لے کر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے راجہ شاہی لشکر کی مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور اپنے صدر مقام نہروالے سے جو گجراتی تواریخ میں انہلواڑہ کے نام سے مشہور ہے بدحواسی کے ساتھ فرار ہو کر راجہ رام دیو والی دیوگیر کے یہاں پناہ گیر ہوا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے

ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دیگر عورتیں بھی اسیر ہو کر دہلی میں آئیں کنولا دیوی حرم میں داخل ہو گئی اور بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاء الدین کے دل میں بہت قدر و منزلت پیدا کر لی۔ ایک روز اُس نے سلطان کو خوش پاکر یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو وہاں چھوٹ گئی تھیں ان میں سے ایک تو نذر شاہی پر تصدق ہو چکی ہے مگر دوسری زندہ ہی خون کے تعلق سے دل بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہی اگر حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہی بیٹی کو ماں کے ساتھ ملانے سے حضور سے قیامت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا اس لئے کہ یہ کوئی گناہ کا کام نہیں ہی۔ حضرت امیر خسرو اس درخواست کو اس طرح پر ادا کرتے ہیں ؎

شبے خوش دید دارائے زمن را | بعرض آورد راز خویشتن را
نخست اندر دعا لب را زبان داد | زبان را در دعا گوئی عنان داد
کہ شاہا تا ابد مسند نشین باش | بشاہی خسرو روئے زمین باش
بیادت ہر کہ نبود بر زمیں شاد | اگر خود آسماں باشد زمیں باد
پس آنگہ با دلِ پُر بیم و امید | بشرحِ حال شد لرزندہ چوں بید
کہ از شاخِ جوانی بر درختم | دو غنچہ ناشگفتہ داشت بختم
چو زینجا بادِ اقبال آں طرف تاخت | مرا زانجا بریں جانب انداخت
شدم مرغوش زبختِ روشنِ خویش | ولے ماند آں دو گل در گلشنِ خویش

یکے زاں دو پسر واندر جوانی — پرستارانِ شہ را زندگانی
دو ماندہ است چوں پیوندِ خون ست — دلِ من بہرِ آں خوں بے سکون ست
دمے گر مہرِ شہ بر بندہ تابد — بگرمی خوں بخوں پیوند یابد
ازیں پیوندِ فرزندے بمادر — نیاید پائے شہ فردا برآدر

چونکہ سلطان خضر خاں کے لئے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اس لئے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اُس کو پسند آئی۔ رائے کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا گیا اور اُس نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کرکے دیولدی کو دہلی روانہ کرے ؎

سرِ آرائے ملکِ ہندواں کرن — کہ بُد صاحبقراں رائے دراں قرن
ازیں شادی کہ آمد ناگہانش — نگنجید اندرونِ پوست جانش
کجا در ذرہ گنجد ایں کہ خورشید — دہد نزدِ خودش پیوندِ جاوید
چو با چشمہ کند بحر آشنائی — شود آں چشمہ ہم بحر از روائی
براں شد کاں طرب را کارساز — علم بر پشتِ پیلاں بر فرازد
متاعِ قیمتی صد پیل بالا — ز دیبا و خز و لولوی لالا
دگر کالائے گوناگوں نہ چنداں — کہ گنجد در خیالِ ہوشمنداں
پس آنگہ باہزار امیدواری — نشاند نازنیں را در عماری
فرستد سوئے دولتخانۂ تخت — کہ آں دولت رسد در خانۂ بخت

لیکن اِدھر سلطان کی رائے تبدیل ہو گئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کر لینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الف خاں اور پنچمیں اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات میں پہنچا تو راجہ کو سوائے راہِ گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دیوگیر کی طرف گھوڑے کی باگ پھیر دی جب سنگھن دیو کو معلوم ہوا کہ رائے کرن اس علاقہ میں آیا ہے اور مدد کا خواستگار ہے تو اُس نے اپنے بھائی بھیلم دیو کو دیولدی کے لئے پیغام دے کر بھیجا جو مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط پا کر دیولدی رخصت کر دی گئی ؎

چو کرن آزردہ بخت پریشاں — حمایت جوئے بود از سوئے ایشاں

نیارست اندراں پیغام نہ کرد — ضرورت باز حل پیوند مہ کرد

نشانیہا کہ باشد شرطِ ایں کار — بمقدارے کہ رایاں راست مقدار

ہمہ یک یک بیکدیگر سپردند — بصد دریا یکے گوہر سپردند

دو جانب چوں فراہم گشت تدبیر — رواں شد چاشنی بر چاشنی گیر

فرستادند بر بوسے ہمائے — مہ روشن بکام اژدہائے

دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دیوگیر کی طرف جا رہی تھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے جو پنچمیں کے ماتحت رائے کا تعاقب کر رہا تھا اُس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا جو فوراً گر پڑا۔ پنچمیں کو اس کامیابی پر بڑا فخر حاصل ہوا اُس نے

دولدی کو الغ خاں کی خدمت میں لا حاضر کیا اور شاہی حکم کے مطابق وہ ایک ہزار فوج کی حفاظت میں دہلی کو روانہ کی گئی اور محلسرا میں داخل ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں

بعصمت ہم بدانساں بہراں پوش ۔۔۔ الغ خاں را رسانید از سر ہوش

الغ خاں در حرم میداشت مستور ۔۔۔ چو فرزند خودش در پردۂ نور

چو فرماں شد کہ آں ریحانِ فردوس ۔۔۔ بشہر آرند چوں برجیس در قوس

رسانیدند در ایوانِ جمشید ۔۔۔ بجلبابِ حیا پوشیدہ خورشید

گجرات کے اس دوسرے حملہ کا ذکر ضیا برنی نے اپنی مشہور تاریخ فیروز شاہی میں نہیں کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان دونوں حملوں کو باہم مخلوط کر کے ایک بنا دیا ہے۔ ضیا برنی کے بعض الفاظ سے ملا صاحب مغالطہ میں پڑ گئے ہیں۔ اس حملہ کے متعلق میں نے جس قدر واقعات اوپر لکھے ہیں وہ صرف حضرت امیر کے بیان سے ماخوذ ہیں۔ اکثر کتب تواریخ جو اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں ان واقعات سے ساکت ہیں۔ البتہ محمد قاسم فرشتہ نے قاضی احمد غفاری مولفِ جہاں آرا کے حوالہ سے اس حملہ کے واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس کا خلاصہ ناظرین کی آگاہی کے لئے اس مقام پر ثبت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس میں اگرچہ بعض باتیں مکرر معلوم ہوں گی لیکن مجھے یقین ہے کہ ان دونوں بیانوں کو پڑھ کر جن میں پہلا شاعرانہ اور دوسرا مورخانہ ہے، اصلی واقعات زیادہ وضاحت کے ساتھ نمایاں ہو جائیں گے۔

"اوائل ۷۰۶ھ[1] میں ملک نائب یعنی ملک کافور ہزار دیناری اور خواجہ حاجی

---

[1] حضرت امیر خسرو نے وقت کی تعیین نہیں کی۔ قصہ کے تمام اجزا کے دیکھنے سے یہ وقت قطعاً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

نائب عرض کو سلطان علاء الدین نے مہم دکن پر مامور فرما کر رخصت کیا۔ عین الملک ملتانی حاکم مالوہ اور الغ خاں والی گجرات کے نام شاہی فرمان صادر ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ملک نائب کے لشکریوں میں سمجھیں اور کسی حالت میں اُس کے احکام کی خلاف ورزی جائز نہ رکھیں اور اُس کی اطاعت اور فرماں برداری اس طرح پر کریں کہ کسی قسم کی شکایت پیدا نہ ہو سکے۔"

"اُس وقت کنولادی نے حضور شاہی میں یہ درخواست پیش کی کہ جب میں راجہ کرن کے محل میں تھی تو دو پری جمال لڑکیاں میری گود میں تھیں جب میں نے اپنے نصیبہ کی یاوری سے حضور سلطانی میں حاضر ہونے کی عزت حاصل کی تو وہ دونوں لڑکیاں راجہ کے پاس رہ گئیں۔ اب میں نے سنا ہے کہ ان میں بڑی لڑکی بقضائے الٰہی فوت ہو گئی مگر دوسری جس کا نام دیولدی ہے اور جس کو میں چار[1] سالہ چھوڑ کر آئی تھی اس وقت تک زندہ ہے۔ اگر ملک نائب یا الغ خاں کے نام حکم ہو جائے کہ اُس کو میرے پاس پہنچا دیں تو یہ مجھ پر ایک خاص لطف اور بے انتہا مہربانی ہو گی۔ سلطان علاء الدین نے

---

[1] قاضی احمد غفاری کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا حضرت امیر فرماتے ہیں کہ اس وقت دیولدی کی عمر صرف چھ مہینے کی تھی۔

دوم را عمر شش مہ بود رفتہ ۔۔۔ کہ بود آں شش مہ ماہِ دو ہفتہ

اس کو صحیح تسلیم کرنے سے قصہ کے تمام اجزا اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ پھر امیر خضر خاں اور دولرانی کے رشتہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اس وقت خضر خاں کی عمر دس سال اور دولرانی کی عمر آٹھ سال تھی۔

دراں دم بود جاں دہ سالہ آراست ۔۔۔ کہ ایں ہنگامہ شادیش برخاست

دولرانی بعہد ہشت سالہ ۔۔۔ دو ہفتہ ماہ را بستہ کلالہ

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت دولرانی کی عمر چھ ہی مہینے کی تھی اور نیز ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۷۰۰ھ کا ہے

اس درخواست کو سن کر ملک نائب اور الغ خاں کے نام فرمان صادر کیا کہ رائے کرن جو سرحد دکن میں مقیم ہے اُس کی لڑکی دیولدی کو طوعاً یا کرہاً جس طرح ہو سکے حاصل کر کے حضور شاہی میں روانہ کر دیں۔ ملک نائب مالوہ سے گزر کر دکن کی سرحد میں اُترا اور شاہی فرامین ہوشیار اور تجربہ کار سفرا کے ساتھ رام دیو اور رائے کرن اور تمام رایانِ دکن کے نام روانہ کئے۔ چونکہ ان راجاؤں نے اطاعت قبول نہیں کی اس لئے ملک نائب نے سلطان پور کے علاقہ سے کوچ کر کے دکن کے کنارہ سے سر نکالا۔ اور اُلغ خاں بھی ایک لشکر کثیر لے کر گجرات کی طرف سے کوہستان بگلانہ کی طرف متوجہ ہوا راجہ کرن نے اپنے مقامات کو مستحکم کر کے ثباتِ قدم اور استقلال کے ساتھ جنگ شروع کی۔ اُلغ خاں کے ساتھ چند لڑائیاں ہوئیں جن میں فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ راجہ رام کے بیٹے سنگلدیو[1] نے جو دیولدی کو اپنے عقد نکاح میں لانے کا متمنی تھا مگر رائے کرن جو راجپوت تھا ایک مرہٹہ کو بیٹی دینا اپنی کسرِ شان سمجھتا تھا اس رشتہ کو ٹال رہا تھا اس موقع کو غنیمت سمجھا اور باپ کی اجازت کے بغیر اپنے چھوٹے بھائی بھیم[2] دیو کو مع تحف و ہدایا رائے کرن کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ ترکوں اور ہندوؤں کے درمیان سخت مذہبی اختلاف ہے اگر آپ اس لڑکی کو جو مابہ النزاع ہے میرے عقد نکاح میں دے کر ادھر بھیج دیں تو مسلمانوں کی فوج آپ کا پیچھا چھوڑ کر اپنے ملک کو واپس لوٹ جائے گی۔ راجہ کرن نے جو ان کی حمایت کا طالب تھا مجبوراً

---

[1] حضرت لیبر نے یہ نام سنگمن دیو لکھا ہے [2] حضرت لیبر نے یہ نام بھیلم دیو لکھا ہے

اس رشتہ کو منظور کر لیا اور دیو لدی کو بھیم دیو کے ساتھ دیوگڈھ بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا"

" الغ خاں یہ واقعہ سنکر بہت گھبرایا اور علاءالدین کی تلوار کے خوف سے کانپ اٹھا اور فوراً سرداران لشکر کو جمع کر کے مجلس مشورت منعقد کی اور کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اس وقت جب کہ دیولدی یہاں موجود ہے ایک سخت حملہ کر کے اُس کو حاصل کر لیں ورنہ اگر گوہر مقصود ہاتھ سے نکل گیا تو ہم بڑے سیاہ سلطان کو دکھانے کے قابل نہ رہینگا۔ تمام سرداروں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ موت پر آمادہ ہو کر سب کے سب کوہستان میں گھس گئے اور نہایت جاں بازی کے ساتھ جنگ کی۔ اس حملہ کے مقابلہ میں رائے کرن کو سخت شکست ہوئی اُس کے تمام ہاتھی اور گھوڑے برباد ہو گئے اور وہ دیوگڈھ کی طرف بھاگ نکلا۔ الغ خاں اس کے تعاقب میں پہاڑوں اور بیابانوں میں بجلی کی طرح کوندتا ہوا جا رہا تھا یہاں تک کہ دیوگڈھ ایک دن کی راہ باقی رہ گیا مگر حصولِ مقصود کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ آخر کار سلطان علاءالدین کے اقبال نے اپنا کام کیا اور ایک عجیب و غریب کیفیت کے ساتھ دیولدی جو مقصود بالذات تھی ان کے ہاتھ آ گئی "

" تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب الغ خاں رائے کرن اور دیولدی سے مایوس ہوا تو اُس نے آرام لینے کی غرض سے ایک دریا کے کنارہ پر دو دن قیام کیا۔ فوجی سپاہیو کی ایک جماعت جس کی تعداد تین چار سو ہوگی ایلورا کے غاروں کو دیکھنے کے لیے جو دیوگڈھ کے قریب ہیں الغ خاں سے اجازت لیکر روانہ ہوئی۔ اثنا سیر میں اچانک دکھنیوں کی ایک فوج اُن کو نظر آئی۔ ان کو خیال ہوا کہ یہ رام دیو کی فوج ہے جو ان پر حملہ آور ہوئی ہے

فوراً مجتمع ہوگئے اور دشمن کے مقابلہ کے لیے صفیں درست کرلیں۔ یہ فوج حقیقت میں بھیم دیو کی فوج تھی جو رائے کرن سے رخصت ہوکر دیولدی کو اپنے جانی کے واسطے لیے جا رہا تھا غرض کہ دونوں فریق مصروف پیکار ہوگئے۔ ہندو مغلوں اور خلجیوں کے آہن دوز تیروں کی تاب نہ لاسکے اور راہ گریز اختیار کی۔ ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے ایسا کاری لگا کہ وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ فوج کے جوان غنیمت کی تلاش میں اس کے گرد جمع ہوگئے فوراً ایک لونڈی چلائی کہ اوبے رحمو دیولدی یہی ہے۔ اس کی عزت و حرمت کا خیال رکھو اور اپنے سردار کے پاس لے چلو۔ سپاہی یہ مژدۂ فرحت فزا سنکر ہوا ہوگئے اور الغ خاں کی خدمت میں اس کو لا حاضر کردیا۔ الغ خاں اس غیر متوقع کامیابی کی خوشی میں پھولا نہ سمایا اور خدا کا شکر بجا لایا اور بلا توقف گجرات کی طرف چل کھڑا ہوا اور وہاں سے پالکی میں سوار کرکے دہلی کو روانہ کردیا اور دیولدی اواخر ۷۰۶ھ میں سلطان کے حضور میں پہنچ گئی اور کنولا دی کی آنکھوں کو اپنے دیدار سے روشن کیا۔"

بیا مطرب۔ بساز ابریشم چنگ   بدیں شادی کہ آمد دست در چنگ

چہ رو دیست ایں کہ چشم کردہ روشن   چہ بو یست ایں کہ مجلس کردہ گلشن

نہ ماہ آسمان باشد ایں روئے   نہ فردوس بریں دارد چنیں بوے

گجرات کے ان دونوں حملوں میں بعض ناموں کی نسبت ایک سخت خلجان درپیش ہے۔ ممکن ہے کہ ناظرین کو غلط فہمی ہوجائے اس لیے اس کا صاف کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے

حضرت امیر خسرو کے بیان میں ان دونوں حملوں میں اُلغ خاں کا نام بحیثیت سپہ سالاری کے متعدد مقامات پر آیا ہے اور یہ بظاہر ایک ہی شخص معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے۔ پہلے حملہ میں جس اُلغ خاں کا ذکر ہے وہ الماس بیگ اُلغ خاں ہے جو سلطان علاؤالدین کا بھائی ہے جیسا کہ فرشتہ سے صراحتہً اور ضیاء برنی سے ضمناً متبادر ہوتا ہے۔ اِس اُلغ خاں نے باختلافِ اقوال مورخین قلعۂ رتھنبور کے فتح ہونے کے کچھ ماہ بعد ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں وفات پائی۔ یہ ظاہر ہے کہ دوسرے حملہ میں جو ۷۰۵ھ میں ہوا یہ اُلغ خاں سپہ سالار نہیں ہو سکتا۔ ضیاء برنی نے اس حملہ کا ذکر نہیں کیا۔ فرشتہ دونوں ناموں میں فرق کرتا ہے۔ پہلے حملہ میں الماس بیگ اُلغ خاں اور دوسرے حملہ میں اُلغ خاں والیِ گجرات لکھتا ہے۔ اور نیز آگے چلکر لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے اُلغ خان کو گجرات سے بلایا اور قتل کرا دیا۔ یہ خضر خاں کا ماموں اور خسر ہے۔ اس کا نام حضرت امیر خسرو نے جہاں نظم فرمایا ہے الپ خاں لکھا ہے علیٰ ہذا القیاس ضیاء برنی بھی اس کو اسی نام سے یاد کرتا ہے۔ پس کافی غور و فکر کے بعد میری قطعی رائے یہ ہے کہ دوسرے حملہ میں جس اُلغ خاں کا نام آیا ہے وہ الپ خاں ہے اور کاتبوں اور مصححوں کے تصرفات نے اُس کی صورت کو تبدیل کر کے الغ خاں بنا دیا ہے جن میں پہلے ہی کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض نسخوں میں بجائے الغ خاں کے الف خاں پایا جاتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۸ سطر ۱۵ مع اختلافات)

فرشتہ نے سلطان علاء الدین کے آخر عہد سلطنت کے واقعات میں ایک اور الغ خاں کا ذکر کیا ہے جس کا نام نظام الدین الغ خاں ہے جو جالور کا حاکم تھا اور جو اپنے بھائی الغ خاں

والیِ گجرات کے ساتھ قتل کیا گیا۔ یہ شخص عہد علائی میں کبھی نامآور نہیں ہوا اس لیے ایسی عظیم الشان مہم میں اُس کا سپہ سالار ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہی۔

خضر خاں کا رشتہ دولرانی کے ساتھ دولرانی حرم سرا میں داخل ہو کر خاص شاہی محل میں رہنے لگی ایک روز سلطان نے خلوت میں خضر خاں کو طلب کیا اور ملکہ جہاں کو اشارہ کیا جو تجویز ہوئی ہی اُس کو ظاہر کر دینا چاہیئے۔ ملکہ جہاں نے کہا کہ حضور کا منشا مبارک ہی کہ تمھاری شادی دولرانی سے کی جائے۔ خضر خاں ماں کی شرم سے کچھ نہ کہہ سکا اور چپ چاپ باہر چلا آیا لیکن دولرانی کی محبت اُس کے تمام رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ اس وقت خضر خاں کا سن دس سال اور دولرانی کی عمر ۸ سال تھی۔ دولرانی کو اس رشتہ کی خبر نہ تھی مگر وہ اپنے بھائی کی شباہت کی وجہ سے جو خضر خاں میں کچھ پائی جاتی تھی خضر خاں سے محبت کرتی تھی لیکن خضر خاں واقف تھا کہ وہ کسی روز اُس کی دُلہن بننے والی ہی۔ دونوں اکثر اوقات ساتھ ساتھ رہتے اور نہایت شوق سے کھیلا کرتے تھے ؎

بباز ی بود شاں عشقے کہ یکدم — نبودندے جُدا در بازی از ہم
نبُد چوں عشق در بازی مجازی — شد آں بازی در آخر عشقبازی
چو طفلانے کہ باہم لعب سازند — ہم کہ طاق و گاہے جفت بازند
نہانی باختندے آں دو مشتاق — زطاق بر داں ہم جفت و ہم طاق
ہر بازیگہے چوں حسن و سالاں — دو دیدے خرد شیرے با غزالاں

شدے ہر سو کہ آں خورشید پایہ — صنم رفتے بدنبالش چو سایہ
نبودے زو جدا در گاہ و بیگاہ — چو نور از آفتاب و پرتو از ماہ
دویدی شمس و لاہم پس و پیش — ز تابِ مہر سوئے سایہ خویش
بیک جا خوردشاں بودے چو آب — نہ خوردندے دمے بے یکدگر آب

خضر خاں کا رشتہ الپ خاں کی لڑکی کے ساتھ

اب دولرانی نے نویں برس میں قدم رکھا اور خضر خاں بھی سن بلوغ کو پہنچا۔ ایک روز سلطان نے ملکہ جہاں کو تنہائی میں طلب کیا اور کہا کہ اب ماشاءاللہ خضر خاں جوان ہو گیا ہے اس کی شادی کی فکر ہونی چاہیئے۔ آخر کار باہمی مشورہ سے یہ قرار پایا کہ خضر خاں کے ماموں الپ خاں کی لڑکی سے رشتہ کا پیغام بھیجا جاوے جو ملکہ جہاں کی بھتیجی ہے۔ الپ خاں نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کیا۔ اس رشتہ میں ملکہ جہاں کی رائے زیادہ غالب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ خاندانی تعلقات کا خیال عورتوں میں زیادہ مستحکم ہوتا ہے اور وہ خاندانی رشتوں کو غیر کفو کے رشتوں پر ہمیشہ ترجیح دیتی ہیں۔ حضرت امیر خسرو کے الفاظ سے بھی کچھ ایسا ہی مضمون مترشح ہوتا ہے ؎

پس آنگہ عزم شد سلطانِ دیں را — ہم آں معصومہ پردہ نشیں را
کہ چوں خالِ خضر خاں الپ خاں است — کہ زیبِ چہرۂ دولت بداں است
بدرجِ عصمتش دریست مستور — کہ چوں خورشید نتواں دیدنش از نور
کنندش با جز اراں ارجمندی — بعقدِ آں نامور عقد بندی

چو ایں اندیشہ محکم گشت شہ را | نوید خواستگاری داد مہ را
الپ خاں کاں بلندی یافت از تخت | پذیرفت آں مبارک مژدہ از بخت

قصر شاہی کی مستورات کو جب یہ راز ظاہر ہوا تو خیر اندیشی اور نیک خواہی کی راہ سے ان کی ایک جماعت ملکہ جہاں کی حضور میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ الپ خاں کی لڑکی بھی کوئی غیر نہیں ہے وہ بھی آپ ہی کی لڑکی ہے ایسا نہو کہ خدانخواستہ اُس کو کوئی تکلیف یا رنج پہنچے۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جس سے غفلت یا لاپروائی کی جائے۔ خضر خاں کا رشتہ جس وقت سے اعلیٰ حضرت نے دولرانی کے ساتھ کر دیا ہے اُسی کے نام پر والہ اور دیوانہ ہو رہا ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرف اُس کو مطلق توجہ نہیں ہے۔ اس لیے سب کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ دونوں کو الگ کر دینا چاہیے اور دونوں کے لیے جُدا جُدا مکان مقرر کر دیے گئے ؎

صواب آں شد کہ دو لولوی بہم | شود ہر یک چراغے در دگر برج
خوش آمد ایں سخن بانوے شہ را | دو منزل شد معین ہر دو مہ را
بجائے شہ شد جائے دگر دوست | دو جاں یکجا و فارغ پوست از پوست
ہمیں شد رسم دوران ستم ساز | کہ نتواند دو کس را دید دمساز
غرض ہر یک بخلوت گاہ خود رفت | بپائے دیگراں از پائے خود رفت

ہفتہ عشرہ کے بعد کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی اُس کا نقشہ دکھلاتے ہیں ؎

پس از یک ہفتہ آں ماہ دو ہفتہ | بخدمت آمدی از تاب رفتہ

خضر خاں کردے از دوش نگاہے | بر آوردے ز دل ز دیدہ آہے
دو لرانی ہم از دنبالۂ چشم | بدیدے و فگندے شعلہ در چشم
خضر خاں راست کردے موزہ از پیش | چنیں کردے سلام دلبرِ خویش
سمن بر خدمتِ دیگر گرفتے | گل افگندے بخاک و بر گرفتے
جسد ہا دور جانہا یک دگر یار | زبانہا گنگ و ابرو ہا بگفتار
بپرسش ہر نظر زیں سو بیانے | بپاسخ ہر مژہ زاں سو زبانے
جگر بے صبر و تنہا در قناعت | مژہ در خشم و لبہا در شفاعت
بہر این ور درونِ او جگر دوش | بناز او از درون این جگر کش
درون یک دگر در رفتہ پنہاں | نہ قالب در میاں گنجیدہ نے جاں
دو آئینہ گر از رسم خیالے | رود در یکدگر نبود محالے
دو شمع ارچہ بوند از یکدگر دور | دلے پیوند یابد نور با نور

اس کے بعد حضرت امیر خسرو نے ایک دوسری دلچسپ اور مفصل ملاقات کا نقشہ دکھلایا ہی جس کی قرارداد طرفین سے بذریعہ رازداروں کے پہلے سے ہو چکی تھی۔ اس بیان میں متعدد مواقع شاعری کے پیدا کیے گئے ہیں۔ اوّل اس چاندنی رات کی روشنی اور نورانیت اور اُس کی خوش گوار ٹھنڈک کا بیان ہی۔ مگر یہ چاندنی خضر خاں کے مقصد میں حارج تھی کیونکہ بغیر ظلمات کے آبِ حیات تک پہنچنا ناممکن تھا۔ اس لیے حضرت امیر ایک ابر کا ٹکڑا پیدا کرتے ہیں جس سے تمام عالم تیرہ و تار ہو جاتا ہی اور خضر خاں

اپنی مسہری پر ایک تکیہ کو لٹاکر اور اُس کو اپنی چادر اڑھا کر دولرانی کی ملاقات کو
لیے روانہ ہوتا ہی۔ چاندنی رات اور اس کی خوشگوار خنکی کی تعریف میں فرماتے ہیں ۹

شبے دادہ جہاں از زیورِ روز   مہے چوں آفتابِ عالم افروز
فلک نورے کہ گرد آوردہ از مہر   ازاں گلگونہ کردہ ماہ را چہر
نمودہ آفتابِ آسماں قدر   جمالِ خویش در آئینۂ بدر
مہے خورشید وام از نورِ جاوید   دو چنداں باز دادہ وامِ خورشید
ستارہ زیرِ نورِ آسماں پوش   بسانِ نوعروسانِ نہاں پوش
رُخِ ہفت اختر اندر ہفت پردہ   بحسن آرائشِ ہر ہفت کردہ
فلک دل بستہ در بیدل نوازی   کواکب کید کرد در عشقبازی
بخوابِ خوش جہانے آرمیدہ   ازیں خوشتر جہاں خوابے ندیدہ

زمستان در ہوائے آں کہ مشتاق   نباشد یک نفس از جفتِ خود طاق
قصب پوشے کہ بر یاری رسیدہ   بر او چوں شکر اندر نے خزیدہ
بر آتش دستہا در کوے منزل   چو مشتاقے کہ دارد دست بر دل
بزرگاں با قم و سنجاب بر دوش   فرو دستاں چو روبہ پوستیں پوش
چو گل زر دار در خز کردہ در خز   برہنہ مفلساں چوں در خزاں رز

خضر خاں کی دعا کارسازِ حقیقی کی جناب میں مستجاب ہوتی ہی اور غیب سے ایک

ابر اٹھتا ہی جو دنیا کو تیرہ و تار کر دیتا ہی ؂

ازانجا کاہِ عاشق فتح در ہاست — نیازِ دردمنداں را اثرہاست
برآمد تیرہ ابرے ناگہ از غیب — ہمہ گلہائے انجم کردہ در جیب
گرفت از پیشِ گردوں پردہ داری — نہاں شد ماہ در شبگوں عماری
چناں می جست برق از بامِ افلاک — کہ بودش بیمِ افتادن سوئے خاک
چناں گیتی ز ابر و باد شد گم — کہ چوں خس می پرید از باد مردم
قیامت بود و گیتی جملہ تاریک — قرانِ آفتاب و ماہ نزدیک

خضر خاں دولرانی کے مکان میں پہنچتا ہی اور عاشق و معشوق دونوں حیرت زدہ کھڑے رہ جاتے ہیں ؂

ستادہ ہر دو چوں دو سروِ نوخیز — بیکدیگر نظرہا داشتہ تیز
دو دیدہ چار گشتہ گاہِ دیدار — بدیدن زیرِ منت ماندہ ہر چار
دو مردم در دو چشمِ یکدگر نور — چو دو دیدہ بیکجا و ز ہم دور
دو سیارہ قراں کردہ بیک برج — ز ہم بے بہرہ چوں دو در بیک درج
دو طاؤس جواں با ہم رسیدہ — دلِ طاؤس ہر دو پر بریدہ
دو گلبن در یکے گلشن شکر خند — ببوئے یکدگر از دور خرسند
دو شمعِ شکر افشانِ شب افروز — ز سوزِ یکدگر افتادہ در سوز
دو بیدل روبرو آوردہ مشتاق — نظرہا جفت و دلہا جفت تن طاق

تباراجِ طبیعت حیرت و شرم — کجا بازارِ رعنائی شود گرم
قوی گشته زغیرت عشق را حال — قوی دستانِ شہوت گشتہ پامال
کماندارانِ رغبت تیر در شست — نہ امکانِ زدن بر آہوے مست
ہواے دل ہمی کرد از درون جوش — تحیّر بانگ بر می زد کہ خاموش
جواں شیرے کہ از خویش خنداں — کہ صیدش پیش وا و بربستہ دنداں
تنش را با چناں زور دلیری — گسستہ عشق بازو ہاے شیری
سبے ناز غزالانِ قصب پوش — دہد شیر افگناں را خوابِ خرگوش
چو مرغے بست دل در سبزیِ شاخ — پریدن پیش ممکن نیست گستاخ
چو چشمے سُرخ شد در لالہ رنگے — عجب نہ بود گر آید پا بسنگے

خضر خاں اور دولرانی کے عشق و محبت کا چرچا شاہی محلات میں زیادہ ہونے لگا ملکہ جہاں کو اس کی خبریں پہنچیں اور یہ واقعہ اُس کے نزدیک ثبوت کو پہنچ گیا تو اُس نے حکم دیا کہ دولرانی تو قصرِ لعل بھیجدی جائے چنانچہ ملکہ جہاں کے حکم کے مطابق دولرانی کو سنگھاسن میں بٹھا کر جو غالباً اُس زمانہ کی کوئی سواری ہے مع سہیلیوں اور کنیزوں کے قصرِ لعل کی طرف روانہ کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر فوراً خضر خاں کو دی گئی ؎

صواب آں شد کز آں فردوسِ پُر نور — بقصرِ لعل سازد جاے آں حور
نشاندند در سنگھاسن آں پری را — چو گردوں ز ترازو مشتری را

لہ بطور تخت رواں ایک سواری تھی ۱۲ حسرت

اشارت کرد کاناں کاہلِ کارند — زقرد را اندر برج لعل دارند
بفرمانِ مہ پوشیدہ تمثال — روان شد زہرہ و پروین بدنبال
رواں سیارہ پراں تر از طیر — بسوے شمسِ والا شد بسیر
فگند آں گلستاں را خار خارے — کہ سروت اندرے لالہ زارے

یعنی ملکہ جہاں کے حکم سے دولرانی روانہ ہوئی اور سہیلیاں اس کے پیچھے پیچھے تھیں فوراً ایک سیارہ جو پرندے سے زیادہ تیزرو تھا شمس الحق خضر خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی اُس کو خبر دی۔ مہ پوشیدہ تمثال، ملکہ جہاں۔ زہرہ، دولرانی پروین، سہیلیاں۔ سیارہ۔ قاصد۔ شمسِ والا شمس الحق خضر خاں۔ باقی اشعار ظاہر ہیں۔ خضر خاں اس وقت اُستاد کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس خبر کو سنکر اُس کی جو حالت ہوئی اُس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ؎

شہ آں دم بود حاضر پیشِ استاد — کتابِ عاشقی را شرح میداد
سخن در قصۂ یوسف کہ ناگاہ — خبر گوے زلیخاش آمد از راہ
مژہ چوں دیدۂ یعقوب تر کرد — زحالِ بیت احزانش خبر کرد
چو بشنید آں خبر جانِ عزیزش — نماند از جاں خبر از ہیچ چیزش
جمالِ یوسفی را سود بر خاک — زد از مہرِ زلیخا پیرہن چاک
چو گرگِ بے گنہ افتاد بیروں — ہمش پیراہن و ہم چہرہ پرخوں
کتاب و سبق و خط بر جاے بگذاشت — قلم از دست و کفش از پاے بگذاشت

برہنہ پاؤ سر از جا بروں جست | زکتب بے سر و بے پا بروں جست
ہمی شد چوں الف آں حرف معلوم | بجاناں قایم و از خویش معدوم

غرض کہ یہ وحشتناک خبر سنکر شہزادہ مکتب سے بے تحاشا بھاگا اور دولرانی کے سکھپال کو جا پکڑا دونوں ملکر خوب روئے اور طرفین میں محبت کی نشانیوں کا تبادلہ ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ؎

چو ہر دو یادگار مہربانی | رسانیدند یک دیگر نہانی
وداع یک دگر کردند گریاں | بطوفاں ہر دو غرق ہر دو بریاں
شتاباں گشت زاں سو ماہ را مہد | وزیں سو بازگشت ایں مہدی عہد
پری چوں برپرید رفت خوں باد | سلیماں زادہ را دیوانگی زاد
تولّے داشت آں فرزند جمشید | کہ باز آرد سلیماں را خورشید
ولیکن چوں سلیماں بود برجائے | بہ تعظیم سلیماں گشت از ان رائے

جشنِ شادی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اول خضر خاں کا رشتہ سلطان علاء الدین نے دولرانی کے ساتھ کر دیا تھا اور اس کے بعد دوسرا رشتہ الپ خاں کی لڑکی کے ساتھ ہوا جو ملکہ جہاں کی بھتیجی ہے۔ پہلے رشتہ کا فسخ ہو جانا اگرچہ حضرت امیر کے بیان سے ثابت نہیں ہوتا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ مضمون جیسے التوا میں ضرور پڑ گیا اور الپ خاں کی لڑکی کے ساتھ شادی ہونی قرار پائی۔ اس داستان کو حضرت امیر خسرو نے نہایت تفصیل اور دھوم دھام کے ساتھ بہت دلچسپ پیرایہ میں لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ ہندوستان کی بہت سی رسمیں مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں میں اُسی وقت جاری ہو چکی تھیں۔ اس جشن شادی میں تمام شہر اور کوچہ و بازار کی آرائش کی گئی۔ جا بجا ڈیرے خیمے استادہ کیے گئے اور زریں پردے اور شامیانے برپا کیے گئے۔ تمام در و دیوار پہ عجیب و غریب نقوش و تصاویر آویزاں و نمایاں کی گئیں۔ گھوڑوں اور پریوں کی حیرت انگیز اور دلفریب مورتیں دیواروں پر نقش کی گئیں اور تمام سڑکوں اور گلی کوچوں میں ریشمین فرش بچھائے گئے ؎

اشارت کرد تا در گردش دہر   بیارایند یکسر کشور و شہر
کمر بربست در کار شہ زمانہ   بچرخ آمد خزانہ در خزانہ
چناں در نغمۂ شادی شد آفاق   کہ در رقص آمد ایں نہ سقف نُہ طاق
بگرد اگرد قصر بادشاہی   بر آمد قبۂ از مہ تا بماہی
جہاں از قبہائے کارداراں   شدہ چوں روئے دریا روز باراں
مرصع پردہا چوں چرخ ز انجم   شدہ انجم دراں زر و گہر گم
بہر زر دوزیِ مہر زر انگیز   نظر با صد تعجب دوختہ تیز
ہر آں کلہ کہ بر کردند آں را   شد استر ابرہائے آسماں را
کشیدہ تا بگردوں سایبانہا   فرو پوشیدہ عیب آسمانہا
مہ و خورشید ہمچوں پری و حور   بشادروانِ عصمت ماندہ مستور
بہر دیوار نقشے کردہ پرکار   فلک حیراں شدہ چوں نقشِ دیوار

رسیده صورت قبہ با نجم — درون چشم انجم گشتہ مردم
زبس گوئی کہ در خواہد دویدن — پری گوئی کہ برخواہد پریدن
بہر جانب کہ مردم بر زمین رفت — ہمہ بر فرش دیبا ہا چین رفت
زبس شارع کہ خفت اندر زرناب — زمین اکنون ندیدالا کہ در خواب

غرض کہ نوبت اور شادیانے، تلوار اور خنجر کے کرتب دکھانے والوں کا اکھاڑے نٹوں اور شعبدہ بازوں کے تماشے گیند کا آسمان میں اچھالنا، تلوار کو پانی کی طرح نگلنا ناک کے راستے چاقو چڑھا لینا، بہروپیوں کے سانگ، ولایتی اور ہندوستانی راگ اور باجے ہندوستانی گانے والیوں کے ناچ اور راگ کی محفلیں، جا بجا منجنیقوں کا نصب کیا جانا اور ان سے روپے اور اشرفیوں کی بارش کا ہونا، یہ تمام باتیں ہیں جن سے اس جشن کو زینت دی گئی تھی ؎

شده در تیغ رانی تیغ رانان — دو گرده مو دو موئے چون جوانان
دہل در بانگ و رخشان پیش و تیغ — چو بانگ رعد و رخش برق در میغ
بخنجرہاے چون تیر مگس صاف — مگس پران دو نیمہ کردہ ز لاف
بر آواز دہل مرد سلح کار — معلق زن بنوبت نوبتی دار
ہر آن بازی کہ بوده آسمان را — بروں افگندہ دہر از پردہ آن را
سپہر و لعب از ہفت پرده — جہان را دادہ بازی راست کرده
بگردش دار بازان بر سر دار — شدہ سرگشتہ زیشان چرخ دوّار